مولانا محمد اسحاق سندیلوی۔ کراچی

سرکاری مدارس
کا
نیا نصابِ دینیات

بالفاظ مختصر یہ نصاب سلو پوائزن ہے جو سنیت کو ختم کرنے کے لئے دیا جارہا ہے۔ نصاب کے رجحان اور اس کے نفسیاتی اثرات کا جائزہ لیں تو اس سے شیعیت کے جراثیم صاف دکھائی دیں گے۔

ادارہ

اہلِ سنت کی مخالفت کے باوجود سرکاری مدارس میں شیعہ دینیات کی تعلیم کا انتظام منظور کرلیا گیا اور اس کے لئے نصابِ تعلیم بھی تیار ہوگیا۔

ابتدا سے آٹھویں درجہ تک دینیات کا نصابِ تعلیم اہل سنت اور شیعوں دونوں کیلئے ایک ہی ہے۔ نویں اور دسویں میں دونوں کیلئے نصاب الگ الگ ہے۔

دونوں قسم کے نصابِ تعلیم پر ایک نظر ڈالنا انشاءاللہ باعث بصیرت ہوگا۔ شاید ان سنیوں کی آنکھیں بھی کھل جائیں جو بہت کچھ دیکھنے کے بعد بھی باحمیت اہل سنت کی آواز کو شیعہ سنی اتحاد کی صدائے بے ہنگام میں دبا دینا چاہتے ہیں۔ مسئلہ بہت اہم ہے۔ قومی زندگی کے اس مرحلہ پر ہماری غفلت نسل کی گمراہی پر منتج ہوسکتی ہے۔ اور فردائے قیامت ہمارے پاس اس گناہِ عظیم کیلئے کوئی عذر نہ ہوگا۔ سرکاری مدارس میں شیعیت کی تعلیم ہی بالکل خلاف عدل وانصاف اور اصول جمہوریت کے مانی ہے۔ چہ جائیکہ مشترک نصاب۔ جبکہ ہمارا اور شیعوں کا کلمہ بھی متحد نہیں۔

——— نویں اور دسویں کی کتاب ———

جماعت نہم اور دہم کا نصاب دینیات سنیوں اور شیعوں کیلئے الگ الگ ہے۔ سنیوں کیلئے جو کتاب داخل نصاب کی گئی ہے، اور نیشنل بک فاؤنڈیشن نے شائع کی ہے، اس پر ایک نظر ڈال لیجئے۔ سرورق پر "اسلامیات لازمی" تحریر ہے۔ گویا یہ کتاب کا نام ہے۔ نیچے قوسین کے درمیان "سنی طلبہ کیلئے" لکھا ہوا ہے۔ مگر سرورق الٹئے تو مصنفین اور نظر ثانی کرنے والوں کی فہرست میں

شیعہ صاحبان کے نام بھی نظر آئیں گے۔ نصاب کا رجحان اسی سے معلوم ہو جاتا ہے۔

کس قدر افسوسناک عجوبہ ہے کہ سنی اسلامیات کی تصنیف اور تالیف میں شیعہ بھی شریک ہوں! آخر شیعوں کو یہ حق کس اصول کی بنا پر پہنچتا ہے کہ وہ ہماری دینی تعلیم میں دخیل ہوں۔؟ جبکہ ہمارے اور ان کے مذہب میں بعد المشرقین بلکہ تناقض اور تضاد ہے۔ یہاں تک کہ کلمہ میں بھی اتحاد نہیں۔ ہمارا کلمہ دوسرا ہے اور ان کا دوسرا۔

کتاب مذکور کے بعض مضامین وعبارات کے بارے میں کچھ عرض کرنا ہے۔ لیکن اس سے پہلے اس اصولی بات کو سامنے لانا چاہتا ہوں۔ کہ نصاب دینیات طلبہ کو صرف دینی معلومات مہیا نہیں کرتا بلکہ ان کے ذہن کو ایک خاص رجحان بھی دیتا ہے۔ اور ان کیلئے ایک مخصوص مذہبی زاویۂ نظر بھی مہیا کرتا ہے۔ نصابِ دینیات پر نظر کرتے وقت اس اہم اصول کو پیشِ نظر رکھنا لازم ہے۔ اس کی روشنی میں نصاب پر نظر کرنے سے بہت مایوسی ہوتی ہے۔

سنی اسلامیات کے نصاب کو سنی زاویہ نظر اور سنی رجحان پیدا کرنا چاہئے۔ مگر اس میں اسکی رعایت نہیں رکھی گئی۔ بلکہ اس کے برعکس ذہن کے رخ کو شیعیت کی طرف موڑنے والی فروگذاشتیں پائی جاتی ہیں۔ مثلاً ص۴۲ پر عورتوں کا مقام کا عنوان قائم کرکے عورتوں کے ساتھ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے برتاؤ کے چند واقعات بیان کئے گئے ہیں۔ اسی کے ذیل میں مذکور ہے:

"حضرت فاطمۃ الزہراؓ کے ساتھ حضورؐ کو اتنی محبت تھی کہ انہیں آپ اپنے جگر کا ٹکڑا فرماتے۔"

کسی سنی کو اس جملہ کے سننے سے گرانی نہیں ہوسکتی۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ عقیدت اور آں محترمہ کا احترام ہر سنی کے نزدیک واجب ہے۔

مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تین صاحبزادیاں اور بھی تھیں۔ یعنی حضرت زینب، حضرت رقیہ اور حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہن۔ ان کے تذکرے سے کتاب کیوں خالی ہے۔؟ ان واجب التعظیم صاحبزادیوں کے تذکرے کو نظر انداز کرنا اور صرف حضرت فاطمہؓ کے تذکرے پر اکتفار کرنا یقیناً ہر سنی کے لئے تکلیف دہ ہے۔ کہنا یہ چاہئے تھا کہ حضورؐ کو اپنی صاحبزادیوں کے ساتھ بہت محبت تھی۔ اقتضاءِ مقام بھی یہی تھا اور واقعہ بھی یہی ہے۔

آنحضورؐ کو صرف حضرت فاطمہؓ ہی سے تو محبت نہ تھی، سب ہی صاحبزادیوں سے محبت تھی اور سب کو اپنے جگر کا ٹکڑا سمجھتے تھے۔ صرف اسی مقام پر نہیں بلکہ پوری کتاب میں یہی روش نظر آتی ہے۔ آنحضورؐ صلی اللہ علیہ وسلم کی تین صاحبزادیوں کا تذکرہ کہیں نہ ملے گا۔ اور حضرت فاطمۃ الزہرا

رضی اللہ عنہا کا تذکرہ بار بار ملے گا۔

کیا اس سے شیعوں کے اس قول باطل کے اثر کو تقویت نہیں پہنچتی کہ العیاذ باللہ آنحضورؐ کی صرف ایک ہی صاحبزادی تھیں۔؟ صـ۱۱۳ پر اولاد نبی کا عنوان قائم کر کے صرف سیدنا حسن و سیدنا حسین رضی اللہ عنہما کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ اوّل تو بلحاظ حقیقت نواسے اولاد میں داخل ہی نہیں ہوتے، بیٹوں اور بیٹیوں کو اولاد کہتے ہیں اور بیٹے کی نسل کو بھی اولاد کہا جاتا ہے۔ مگر بیٹی کی نسل نانا کی اولاد نہیں کہی جاتی۔ اس کے پیش نظر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صاحبزادوں اور صاحبزادیوں کا تذکرہ ہونا چاہیئے تھا مگر ان میں سے کسی کا بھی ذکر نہیں۔ حضرات حسنینؓ حقیقی معنی کے لحاظ سے اولاد علیؓ ہیں نہ کہ اولاد نبیؐ۔ البتہ مجازاً انہیں اولاد نبیؐ بھی کہا جاسکتا ہے۔ ان معنی میں ان کا تذکرہ برمحل بھی کہا جاسکتا ہے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ اصل اولاد یعنی صاحبزادوں اور صاحبزادیوں کا تذکرہ ترک کر کے صرف نواسوں کا تذکرہ کرنے کے کیا معنیٰ؟ اچھا یہی سہی، مگر آنحضورؐ کے نواسے صرف یہی دو حضرات تو نہ تھے۔ دوسرے نواسوں مثلاً حضرت علی بن ابی العاص رضی اللہ عنہما کا تذکرہ کیوں نہیں کیا گیا۔؟

صـ۱۰۶ پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے تذکرے میں لکھتے ہیں:

"آپ شجاعت سخاوت اور علم میں اپنی مثال آپ تھے۔"

یقیناً آں ممدوح میں تینوں اوصاف حمیدہ موجود تھے۔ مگر "اپنی مثال آپ تھے" کہنا بالکل غلط ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ ان تینوں اوصاف میں آپ کے مثل صحابہ کرامؓ میں متعدد حضرات تھے۔ بلکہ ایسے حضرات بھی تھے جو ان اوصاف میں سے کسی میں آں محترم سے بڑھے ہوئے تھے۔ مثلاً حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے متعلق ایک روایت میں راوی حدیث حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: وکان ابوبکر اعلمنا۔ (اور حضرت ابوبکرؓ ہم سب سے زیادہ علم والے تھے۔)[1]

اسی صفحہ پر لکھا ہے کہ حکم الٰہی کی تعمیل میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے چالیس اقربا کو جمع کر کے اسلام اور تبلیغ اسلام میں اعانت کی دعوت دی۔ مگر کسی نے اعانت کی حامی نہ بھری۔ صرف حضرت علیؓ اس کے لئے تیار ہوئے۔ مگر جو صحابہؓ عملاً معاونت کرتے رہے ان کا تذکرہ کیوں نہیں کیا گیا۔؟ واقعہ یہ ہے کہ حضرت علیؓ نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مکی زندگی میں کوئی بھی قابل ذکر اعانت و امداد نہیں کی۔ کیونکہ بوجہ صغر سنی وہ کوئی امداد کر ہی نہ سکتے تھے۔ بخلاف اس کے صدیق اکبرؓ اور دوسرے صحابہؓ دین کے مبلغ اور نبی اکرمؐ

---

[1] بخاری شریف کتاب المناقب مناقب صدیق اکبرؓ۔

صلی اللہ علیہ وسلم کے معاون و مددگار رہے۔ حضرت علیؓ نے اس وقت اعانت کی جب وہ اس قابل ہوئے۔

اس سے قطع نظر اسلوب بیان سے پڑھنے والے کے ذہن پر یہ اثر مرتب ہوتا ہے کہ مکی زندگی میں آنحضور صلوات اللہ علیہ کے حامی و ناصر صرف حضرت علیؓ تھے۔ اور یہ چیز کسی سنی کیلئے قابل برداشت نہیں۔

ص۱۰۷ پر لکھتے ہیں:

"اور حضرت علیؓ ممتاز مجاہد تھے غزوہ بدر اور غزوہ اُحد میں اسلام کے دشمنوں کا ڈٹ کر مقابلہ کیا۔ ان کے نامور بہادروں کو شکست فاش دی اور بعض کو جہنم رسید کیا۔"

لکھنا یہ چاہیئے تھا کہ حضرت علیؓ کا شمار ممتاز مجاہدوں میں ہے۔ صحابہ کرامؓ میں ایسے حضرات کی خاصی بڑی تعداد تھی جو حضرت علیؓ ہی کی طرح مجاہدانہ اوصاف میں امتیازی شان رکھتے تھے۔

کہنا یہ چاہیئے تھا کہ حضرت علیؓ غزوہ بدر و احد میں بھی شریک رہے۔ شرکاء غزوہ بدر کی جو فضیلت ہے۔ وہ آں محترم کیلئے بھی ثابت ہے۔ اس عنوان سے قاری پر یہ اثر ہوتا ہے کہ بدر و اُحد کا سارا کریڈٹ آں محترم ہی کو ملنا چاہیئے۔ حالانکہ یہ بات بالکل خلاف حقیقت ہے۔ دشمنان اسلام کا مقابلہ سب ہی صحابہ کرامؓ نے کیا تھا۔ اس میں آں محترم ہی کی کیا خصوصیت ہے۔؟ غزوۂ بدر میں جنگ مبارزت کے موقعہ پر جسطرح حضرت علیؓ نے اپنے مقابل کو قتل کر دیا اسی طرح حضرت حمزہؓ نے بھی اپنے مقابل کو واصل جہنم کیا۔ جنگ مغلوبہ میں سب صحابہؓ نے ڈٹ کر مقابلہ کیا۔ بلکہ آں محترم کے ہاتھ میں تو تلوار بھی تھی بہت سے صحابہ کرامؓ کے پاس تو تلوار بھی نہ تھی انہوں نے تو لاٹھی ڈنڈوں سے شمشیر و سنان کا مقابلہ کیا۔

حضرت معاذ اور حضرت عوذ رضی اللہ عنہما نے دشمن کی صفوں میں گھس کر ابوجہل کو مار گرایا جو مخالفین کا بہت بڑا سردار تھا اور جسکی حفاظت ان کا ہر فرد ضروری سمجھتا تھا۔ یہ کارنامہ جنگ مبارزت میں مقابل کو قتل کر دینے سے بڑھ کر ہے۔

اسی صفحہ پر مندرج ہے: "آپ فاتح خیبر ہیں" یہ بات بھی خلاف واقعہ اور غلو کا نمونہ ہے۔ خیبر کا ایک قلعہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فتح کیا۔ یعنی جس فوج نے اس قلعہ پر حملہ کر کے اسے فتح کیا اس کے سردار آں محترم تھے۔ مگر خیبر ایک قلعہ کا نام نہیں پورے علاقہ کا نام ہے جس میں متعدد قلعے تھے۔ دوسرے قلعے دوسرے حضرات نے فتح کئے۔ صرف حضرت علیؓ کو فاتح خیبر کہنا صحیح نہیں۔

ص۱۱۰ پر ام المؤمنین حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کے تذکرے میں حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کا تذکرہ اس عنوان سے ہے: "آپ خاندان بنو امیہ کے ممتاز سردار کی بیٹی تھیں۔" حضرت ابوسفیانؓ کا

اس طرح تذکرہ کھلی ہوئی بے ادبی ہے۔ جو ہر سنی کیلئے تکلیف دہ ہے۔

آخری صفحہ پر کاتبین وحی کی ایک فہرست ہے۔ اس میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا نام مذکور نہیں حالانکہ وہ بھی مشہور کاتبان وحی میں شامل ہیں۔ صـ۴۲ پر زیر عنوان نظم وضبط مسٹر جناح کا بھی ایک قول نقل کیا گیا ہے۔ وہ نہ کوئی عالم تھے نہ دیندار ومتقی ـــــ مذہبی کتاب میں ان کا قول نقل کرنا بالکل بے محل اور نامناسب ہے۔

احادیث نقل کرنے میں بھی ضروری احتیاط نہیں ملحوظ رکھی گئی۔ مثلاً ایک حدیث اس طرح نقل کی ہے۔ العلم فریضة علی کل مسلم ومسلمة۔ حالانکہ حدیث یوں ہے۔ طلب العلم فریضة علی کل مسلم۔ کسی حدیث کے متعلق کسی کتاب کا کوئی حوالہ نہیں دیا گیا۔

خیر الناس من ینفع الناس۔ حدیث ہے تو کہاں ہے۔؟ حوالہ مذکور ہوتا تو پتہ چلتا۔ آخر میں یہ بات صاف کر دینا ضروری ہے کہ حضرت علیؓ کی فضیلت وبزرگی ہر سنی کے نزدیک واجب التسلیم اور اس کا تذکرہ مستحسن مگر ان کے واقعی اور صحیح فضائل ان کی شخصیت کو ظاہر کرنے کیلئے کافی ہیں۔ ان میں مبالغہ کا پیوند یا خلاف واقعہ امور کا جوڑ لگانے کی کوئی ضرورت نہیں۔ اور سنی مزاج اسے گوارہ نہیں کرتا۔ علیٰ ہذا آں محترم کی شخصیت کو نمایاں کرنے کیلئے ایسا طرز اختیار کرنا جو اس مبارک دور کی دوسری عظیم شخصیتوں کو نظر سے پنہاں کر دے، اہل سنت کے نزدیک گمراہ کن ہے۔

افسوس ہے کہ زیر نظر کتاب میں ایسا ہی طرز اختیار کیا گیا ہے۔ اور مبالغہ آرائی کے ساتھ خلاف واقعہ امور کو ممزوج کر کے اسکی قوت تاثیر کو بڑھایا گیا ہے۔

اس طرز عمل کی وجہ سے یہ نصاب طلبہ وطالبات کو سنی زاویہ نظر دینے سے قاصر ہو گیا۔ اسے پڑھ کر سنی ذہن کبھی وجود میں نہیں آسکتا۔ بلکہ اسکی تخریب کا سامان اس میں موجود ہے۔ جو اس قدر خفی ہے کہ تمام نگاہیں اس کے ادراک سے قاصر رہتی ہیں۔ گذشتہ سطریں اس راز کو افشار کر دیتی ہیں۔

ـــــ آٹھویں جماعت کی کتاب ـــــ

صـ۳۲ پر قرآن کریم کی ایک آیت نقل کی گئی ہے۔ جس میں صبر کا حکم دیا گیا ہے۔ اور اس پر فلاح اور کامیابی کا وعدہ فرمایا گیا ہے۔ آیت کے ترجمہ کے بعد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صبر کا تذکرہ ہے۔ یہ بیان دور تک چلا گیا ہے۔ ابتدا اس طرح ہوتی ہے:

---

* خدا نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس نیکی اور عظیم کام پر مامور فرمایا کہ آپ اسلام اور قرآن کی برتری اور خوبی تمام دنیا میں پھیلا دیں۔ آپ نے یہ سارا کام تیئس سال کی مدت میں پورا کیا۔ ملک عرب جہاں سے

آپ کی تبلیغ شروع ہوئی۔ وہاں کے رہنے والے سینکڑوں بتوں کے پجاری تھے۔ ساری دنیا میں کفر اور بدی کا غلبہ تھا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو غیر معمولی قوت عطا فرمائی تاکہ آپ دشمنانِ دین کا ڈٹ کر مقابلہ کر سکیں۔ آپ کو دشمنوں نے اتنا ستایا کہ دنیا میں کسی اور کو اتنا نہیں ستایا گیا۔ آپ نے صبر کی انتہا کر دی آپ نے صرف یہی کہا کہ اللہ ان کو ہدایت دے۔ مکہ والوں نے آپ کا تین سال تک بائیکاٹ کیا۔ آپ طائف کے شہر میں دین کی دعوت کیلئے گئے وہاں آپ پر پتھر برسائے گئے۔"

اسی قسم کا مضمون دور تک چلا گیا ہے۔

اس عبارت کو غور سے ملاحظہ فرمائیے، اور اس کے بعد تصور کیجئے کہ اسے پڑھنے والے خام ذہن بچے ہوں گے نفسیاتی اعتبار سے ان کے ذہن پر اس کا کیا اثر ہوگا۔؟ اس کا جواب سطور ذیل میں ملاحظہ فرمائیے۔

(الف) دعوتِ دین کے ابتدائی دور میں مکہ والوں یا طائف والوں یا دوسرے عربوں نے جو مخالفت کی اور آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جو ایذائیں پہنچائیں ان کا تذکرہ تو کیا گیا ہے۔ مگر ان کے اسلام لانے اور اسلام لاتے ہی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے جان نثار خدام بن جانے کی طرف اشارہ تک نہیں کیا گیا۔ اس کا یہ اثر لازم ہے۔ کہ بچہ کو اہل مکہ اور اہل طائف بلکہ اس دور کے سب لوگوں سے باستثنائے چند اقارب نبی اکرمؐ نفرت و عداوت ہو جاتے، بچپن سے جو نفرت و عداوت دل میں بیٹھ جاتی ہے۔ اس کا نکلنا بہت دشوار ہوتا ہے۔

پھر جب بائیکاٹ کا مذکورہ واقعہ استاد سے مجملاً سنے گا تو اسکی یہ نفرت اور زیادہ شدید ہو جائے گی۔ ہو سکتا ہے کہ کلاس سے باہر آکر مسلمانوں کی زبانوں سے صدیق اکبرؓ و فاروق اعظمؓ اور بعض دوسرے صحابہؓ کے اسمار سنے جس سے ان حضرات کے متعلق اسے حسنِ ظن پیدا ہو جائے۔ مگر جن حضرات صحابہؓ کا تذکرہ عام نہیں ہے۔ ان کے بارے میں اسے کوئی حسنِ ظن پیدا نہ ہوگا۔

اس کا کم سے کم نتیجہ یہ نکلے گا کہ ان حضرات صحابہؓ سے یہ بچے بدگمان و متنفر ہی رہیں گے جو فتح مکہ کے بعد مشرف باسلام ہوئے۔ اور اگر صحیح تعلیم یا مطالعہ نے ان کے ذہن کو صاف نہ کیا تو عمر بھر یہ اس ورطۂ ضلال میں مبتلا رہیں گے۔ بلکہ دوسروں کو بھی اس میں مبتلا کریں گے۔

(ب) پہلی خط کشیدہ عبارت بہت مغالطہ انگیز ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کیا صرف اس لئے ہوئی تھی کہ اسلام اور قرآن کی برتری ساری دنیا میں پھیلا دیں۔ پھیلا دینے کا تو مطلب صرف اتنا ہے کہ دنیا میں ہر طرف اسلام اور قرآن کی برتری اور خوبی کی شہرت ہو جائے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا مقصد صرف اتنا تو نہ تھا۔ قرآنِ کریم کا بیان ہے کہ ختم المرسلین کے چار فرائض منصبی مقرر فرمائے

گئے تھے۔ تلاوت آیات یعنی دعوت دین اور جو لوگ ایمان لے آئیں ان کو تعلیم کتاب اور تعلیم حکمت اس کے ساتھ ان کا تزکیہ یعنی ان کی اصلاح اور تربیت باطنی۔ ان سب امور کو نظر انداز کر کے ایک گول مول بات لکھ دی گئی ہے۔ حالانکہ اقتضاء مقام یہ تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جو بے نظیر کامیابی ہوئی اس کا تذکرہ کیا جاتا اور یہ دکھایا جاتا کہ آنحضورؐ نے صبر و تحمل کے ساتھ غلبۂ دین کی کوشش فرمائی جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ تیئس سال کی قلیل مدت میں ایک انقلاب عظیم پیدا ہو گیا اور پوری قوم انتہائی پستی سے بلندی کے اس درجہ پر پہنچ گئی جو کسی امتی کی بلندی کی انتہا ہے۔ دشمن دوست اور جان نثار بن گئے۔ اور جو برے تھے وہ خوبی و پاکیزگی میں ملائک کی ہمسری کرنے لگے۔ آنحضورؐ ارواحنا فداہ کے اس بے مثال معجزے کیطرف اشارہ تک نہیں کیا گیا۔

یہ مغالطہ انگیز بیان کسی شیعی قلم کا رہین منت معلوم ہوتا ہے۔ اس کا مقصد یہ ہے کہ بچے کے ذہن میں رتبہ صحابیت کا صحیح تصور اور صحابہؓ کی عظمت پیدا نہ ہونے پائے۔ وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو صرف اسلام کا ناشر سمجھے اہل ایمان کا معلم و مربی اور مزکی نہ سمجھے۔ کیونکہ اگر یہ سمجھے گا تو آنحضورؐ کے شاگردوں کی طرف بھی ذہن فطرتاً منتقل ہوگا۔ اور فطری طور پر ان حضرات کے متعلق اسکا تصور بلند ہوگا۔ اور یہی وہ چیز ہے جسکا سد باب شیعہ کرنا چاہتے ہیں۔ مغالطہ بہت دقیق ہے۔ اس لئے بہت کم سنی اسے سمجھ سکتے ہیں۔

صـ۴۲ پر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خادم حضرت انس رضی اللہ عنہ کا ذکر واحد کے صیغوں کیساتھ بے ادبانہ انداز میں ہے۔ اسی طرح بعض دوسرے صحابہ کرامؓ کا۔ بچوں کے ذہن پر اس کا یہ اثر ہوگا کہ ان صحابہؓ کی عظمت اس میں نہ پیدا ہو سکے گی، اپنے معاشرے میں خدمت کار کا جو تصور ان کے ذہن میں ہے وہی ان پر چسپاں کریں گے۔

——— ساتویں جماعت کی کتاب ———

صـ۳۳ پر فتح مکہ کے بیان میں مذکور ہے :

"ابوسفیان جو مسلمانوں کا بڑا دشمن تھا۔ اس خدائی فوج کے جلال دیکھ کر دم بخود رہ گیا۔ اور مقابلے کی بجائے اس نے حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر اسلام قبول کر لیا۔"

اس عبارت کو پڑھ کر بچے کے ذہن میں حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کا کیا تصور قائم ہوگا۔؟ اس سے تو وہ یہی سمجھے گا کہ آں محترم نے لشکر اسلام کی شوکت سے مرعوب ہو کر بظاہر اسلام قبول کر لیا تھا۔ دل سے مسلمان نہیں ہوئے تھے۔ العیاذ باللہ۔

یہ خیال باطل سنی ذہن کیلئے زہر ہے۔ بچے کا خام ذہن اس زہر کو پی کر سنی روح کو کب تک محفوظ

رکھ سکے گا۔ یہ اس کتاب میں نہیں بلکہ پورے نصاب میں جہاں بھی حضرت ابوسفیانؓ کا نام آیا ہے، وہاں ایسے ہی انداز سے آیا ہے جس سے ان کے متعلق کوئی اچھا تصور پیدا نہیں ہوتا بلکہ بدگمانی کو راہ ملتی ہے۔ اسی صفحہ پر حضرت فاروق اعظمؓ کا نام تو اس طرح آیا ہے: "آپ نے عمر فاروق سے ارشاد فرمایا۔" مگر ایک سطر بعد لکھتے ہیں: "پھر آپ نے حضرت علی المرتضیٰؓ کو بت توڑنے کا حکم دیا۔" دونوں حضرات کے اسماء گرامی کے اظہار میں فرق ظاہر ہے۔ اور اس کا جو اثر سنی بچوں کے ذہن پر پڑے گا وہ بھی محتاج بیان نہیں ——

ص۴۴ پر بعد فتح کے واقعات میں قریش کے اسلام لانے کیطرف اشارہ تک نہیں کیا گیا۔ حالانکہ یہ مقتضائے مقام تھا۔ بیان پڑھ کر ناواقف خصوصاً بچہ یہی سمجھے گا کہ العیاذ باللہ فتح کے بعد بھی یہ سب کافر ہی رہے۔ اور باوجود اس کے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ساتھ رعایت فرمائی۔

ص۴۲ پر بیان وفات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سلسلہ میں لکھا ہے: "نماز کی امامت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے سپرد ہوئی۔" حالانکہ لکھنا یہ چاہیئے تھا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں امامت صلوٰۃ میں اپنا قائم مقام بنایا۔ اور انہیں حکم دیا کہ امامت کریں۔ اسی بیان میں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو بشارت دینے کا واقعہ ذکر کیا گیا ہے۔ حالانکہ اس موقع پر اس کے تذکرہ کی کوئی خاص ضرورت نہ تھی۔ مگر دوسری بنات صالحاتؓ کے تذکرہ سے کتاب بالکل محروم ہے۔ اس کے اثر کی نشاندہی صفحات گزشتہ میں کر چکا ہوں۔

ص۲۹ غزوہ خیبر کے تذکرہ میں حضرت علیؓ کو ایک دن عَلَم (جھنڈا) دینے کا واقعہ اس طرح نقل کیا ہے: "کل میں ایک خاص علم اس شخص کو دوں گا" اس میں ایک خاص کا اضافہ اپنی طرف سے کر دیا گیا۔ حدیث میں صرف عَلَم دینے کا ذکر ہے۔

ص۳۰ پر زیر عنوان "جنگ تبوک" لکھا ہے: "جانے سے پہلے آپؐ نے حضرت علی المرتضیٰؓ کو مدینہ کا نگران مقرر کیا۔" اس میں مغالطہ دینے کی کوشش پنہاں ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی موقع پر حضرت علی المرتضیٰؓ کو اپنے اہل و عیال کی خبر گیری کیلئے مدینہ میں مقرر فرمایا تھا۔ صرف یہی کام آں محترم کے سپرد تھا۔ مدینہ کا نگران انہیں نہیں بنایا گیا تھا۔ بلکہ آنحضور نے حضرت عبداللہؓ ابن ام کلثوم کو نگران بنایا تھا۔ اور نماز کا انتظام انہیں کے سپرد فرمایا تھا۔

شیعہ اس روایت سے حضرت علیؓ کی خلافت بلا فصل پر استدلال کرتے ہیں۔ ان کا استدلال تو بالکل کمزور اور بے جان ہے۔ مگر خام عقل اور دین سے ناواقف بچے دھوکہ میں آسکتے ہیں۔ اس مغالطہ کا مقصد یہی ہے۔ کہ بچوں کے ذہن کو اس غلط استدلال کے قبول کرنے کیلئے تیار کر دیا جائے۔

چھٹی جماعت کی کتاب بعض نقائص کے باوجود ان کتابوں میں نسبتاً سب سے غنیمت ہے۔ اس وجہ سے طوالت سے بچنے کے لئے اس پر تبصرہ ترک کرتا ہوں۔

پانچویں جماعت کی کتاب

صلا پر حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے کا واقعہ ہے۔ لکھا ہے کہ:

"اسلام لانے سے پہلے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ مسلمانوں کے سخت دشمن تھے، ایک دن حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ابوجہل سے کہا: میرا جی چاہتا ہے کہ محمد کا کام تمام کر دوں۔"

اس کے بعد ان کے مسلمان ہونے کا تذکرہ ہے۔ واقعات صحیح ہیں۔ اور ان کے بیان کرنے میں کوئی حرج بھی نہیں۔ لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے۔ کہ پانچویں جماعت میں پڑھنے والے کم فہم بچوں کو اس تفصیل کے بتانے کی کیا ضرورت تھی۔؟ انہیں تو صرف اتنا بتا دینا کافی تھا۔ کہ حضرت عمرؓ مسلمان ہو گئے، اور آں محترم کے اسلام قبول کرنے سے مسلمانوں کو بہت تقویت ہوئی۔ کم سن طلبہ قبل الاسلام اور بعد الاسلام کی کیفیتوں کے درمیان واضح فرق نہ کر سکیں گے۔ اور حضرت فاروق اعظمؓ کے ساتھ ان کے دل میں وہ عقیدت و محبت نہ پیدا ہو گی۔ جو ایک ہستی کو ہونا چاہئے۔ بلکہ خطرہ ہے کہ آں محترم کے متعلق انہیں کچھ سوء ظن پیدا ہو جائے۔ شیعہ مصنفین نے یہی نکتہ ملحوظ رکھا ہے۔

ص۳۳ پر مقاطعہ کا واقعہ لکھتے ہوئے کہتے ہیں: "۶۱۶ء کے آخر میں بنی ہاشم اور بنی عبدالمطلب کے مخالفوں کی ایک انجمن بنائی گئی۔" عبارت سے مترشح ہوتا ہے کہ مقاطعہ خاندانی بنیاد مبنی تھا۔ حالانکہ یہ بالکل غلط ہے۔ مقاطعہ کی بنیاد کفر و اسلام کی جنگ اور مخالفت پر تھی۔ بنو ہاشم اور بنو عبدالمطلب سے بحیثیت خاندان کسی کو کوئی مخالفت نہ تھی۔ اس مغالطہ دہی کا مقصد یہ ہے کہ آئندہ اسلامی تاریخ کے مشاجرات اور محاربات کو خاندانی عصبیت کی عینک سے دیکھنے کیلئے بچہ کا ذہن تیار ہو جائے۔

ص۳۵ پر معراج کا تذکرہ ہے۔ مگر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی تصدیق کا اہم واقعہ قلم انداز کر دیا گیا۔ جبکہ ص۳۶ پر ہجرت کے بیان میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بستر پر لیٹ رہنے کا واقعہ پورے اہتمام سے دکھایا گیا ہے۔ اور لکھا ہے: "حضرت علی المرتضیٰؓ نے حکم کی تعمیل کی اور خطرے کے باوجود حضورؐ کے بستر پر لیٹ گئے۔"

حالانکہ ان کے لئے کوئی خطرہ نہ تھا۔ کفار صرف آنحضورؐ کو قتل کرنا چاہتے تھے۔ اگر خطرہ ہوتا تو آں حضورؐ امانتیں کیوں ان کے سپرد فرماتے۔؟ خطرہ تو حضرت ابوبکرؓ کے اہل و عیال کیلئے تھا۔ جو ہجرت میں معاون تھے۔

اسی ذیل میں لکھا ہے : " یہ دیکھ کر حضرت ابوبکر صدیقؓ پریشان ہوئے اور عرض کیا " حضور اب کیا ہوگا۔ پریشانی کس کے لئے تھی، اپنے لئے یا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے ؟ کتاب اس تفصیل سے خالی ہے۔ اور اسلوب یہاں ایسا اختیار کیا گیا ہے۔ کہ صدیق اکبرؓ کے متعلق کمزوری کا تصور قائم ہو اور پڑھنے والا سمجھے کہ آں محترم کو اپنی جان کی فکر تھی۔ العیاذ باللہ۔ حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ آں محترم کو اپنی کوئی فکر نہ تھی بلکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی فکر تھی۔

چوتھی جماعت کی کتاب

۳۲ صفحات کی یہ بہت مختصر کتاب ہے۔ ایک سنی بچہ کے لئے اس مرحلے پر صحابہ کرام میں کم ازکم حضرات خلفاء اربعہ کے اسماء گرامی سے واقفیت ضروری ہے۔ مگر کتاب میں حضرت علیؓ کا تذکرہ تو دو تین جگہ موجود ہے۔ اور حضرات خلفاء ثلاثہؓ کے اسماء گرامی کہیں نہیں ملتے۔ مقصد یہی معلوم ہوتا ہے کہ بچے کے ذہن پر حضرت علیؓ کی عظمت کا نقش اس طرح بٹھایا جائے۔ کہ جو حضرات ان سے بھی اونچا درجہ رکھتے ہیں ان کی عظمت بھی پوشیدہ ہو جائے۔ واضح بات ہے کہ یہ چیز سنی مذہب کے مزاج کے بالکل خلاف ہے۔ بظاہر چھوٹی سی بات ہے۔ مگر اس کے نفسیاتی اثرات بہت خطرناک اور شدید ہیں۔ ان کتابوں میں اور بھی چیزیں ہیں جو قابل تغیر ہیں۔

جو مثالیں پیش کی گئی ہیں، وہ نمونہ کی حیثیت رکھتی ہیں۔ دیکھنے والی اصل شئے یہ ہے کہ نصاب کا رجحان کیا ہے اور اس کا نفسیاتی اثر کیا ہو سکتا ہے ؟ اس زاویہ سے اس میں شیعیت کے جراثیم صاف دکھائی دیتے ہیں۔ جیساکہ مثالوں سے ظاہر ہے۔ میں یہ نہیں کہتا کہ اسے پڑھ کر ہمارے نونہال العیاذ باللہ شیعہ ہو جائیں گے۔ مگر یہ کہتا ہوں کہ اسے پڑھ کر ان میں شیعیت کو قبول کرنے کی صلاحیت یقیناً پیدا ہو جائے گی۔ حالانکہ دینیات پڑھنے کا اثر یہ ہونا چاہیئے کہ بچہ مذہب اہل سنت میں پختہ ہو جائے۔ اور اس کا ذہن کلیتہً " سنی " بن جائے۔ سنی ذہن کی شکست ہی ہماری تباہیوں کی بنیاد ہے۔ اور اسکی تعمیر ہی سبیل نجات و فلاح۔ لیکن یہ نصاب دینیات اس کی تعمیر کرنے کی بجائے اس کے بچے کھچے اجزاء کو بھی بوسیدہ کر دیتا ہے۔ یہی وجہ ہے۔ کہ شیعہ اس کے نتائج کے بارے میں بہت پُرامید ہیں۔ افسوس ہے کہ دینی طرز فکر سے محرومی کی وجہ سے بہت سے اہل سنت اس خطرناک نفسیاتی تدبیر کو سمجھنے سے قاصر رہتے ہیں جو نصاب مذکور کی بنیاد ہے۔ بالفاظ مختصر یہ نصاب " سلو پوائزن " ہے۔ جو سنیت کو ختم کرنے کے لئے دیا جا رہا ہے۔ علاوہ بریں اسکی کیا گارنٹی ہے کہ نصاب میں تبدیلی نہ ہوگی۔ ؟ تجربات بتاتے ہیں کہ اگر یہی لیل ونہار رہیں تو نصاب میں روز بروز شیعیت کا رنگ گہرا ہوتا چلا جائیگا۔ اور سنی رنگ ہلکا۔ ان کتابوں میں زبان کی غلطیاں بھی بکثرت ہیں۔ نقل حدیث میں بھی بے احتیاطی کی گئی ہے۔ چونکہ کامل جائزہ مقصود نہیں اس لئے ان امور کو نظر انداز کیا گیا ۔